''حیاتِ رسولِ امّی'' از خالد مسعود پر ایک نظر

عاصم نعیم *

جناب خالد مسعود (۱۹۵۳ء---- ۲۰۰۳ء) کی آخری تصنیف ''حیاتِ رسول اُمّی'' کُتبِ سیرت میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے جسے فراہی مکتبِ فکر کی نمائندہ کتابِ سیرت کہا جا سکتا ہے۔ مصنف مذکور کے اُستاد مولانا امین احسن اصلاحی نے محدثانہ طریق پر لکھی گئی کُتبِ تفاسیر کا جواب ''تدبرِ قرآن'' کی شکل میں دیا تھا۔ اسی طرز پر لکھی گئی کُتبِ سیرت کا جواب ''حیاتِ رسول اُمّی'' کی صورت میں خالد مسعود کے قلم سے سامنے آیا ہے۔

جناب خالد مسعود کا تعلق ضلع جہلم کے قصبہ للہ کے ایک معروف دینی گھرانے سے تھا۔ دنیاوی تعلیم میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے کنگز کالج لندن سے کیمیکل انجینئر نگ میں ڈپلومہ کیا۔ ۱۹۵۸ء میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے جناب امین احسن اصلاحی (م: ۱۹۹۷ء) کا تلمذ اختیار کیا اور اگلے چالیس برسوں میں ان سے عربی ادب، تفسیر قرآن، اصُولِ تفسیر، حدیث و اصول حدیث وغیرہ علوم میں بھرپور استفادہ کیا۔ انہوں نے مولانا اصلاحی کے مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری کے دروس کو مدوّن کر کے ''تدبّر حدیث'' کے نام سے شائع کیا۔ ان کی تفسیر ''تدبّرِ قرآن'' کی روشنی میں ان کے ترجمہ قرآن کے ساتھ تلخیص شائع کی۔ فاضل مصنف نے عربی سے اردو اور بعض سائنسی کتابوں کے انگریزی سے اُردو تراجم کئے۔ انہوں نے دینی تعلیمات کی روشنی میں بچوں کے لئے چھ آسان کتابیں بھی لکھیں۔ ۱۹۸۱ء سے اپنی وفات تک برابر ایک سہ ماہی مجلّہ ''تدبّر'' شائع کرتے رہے۔ ''حیاتِ رسول اُمّی'' ان کی اہم ترین تصنیف شمار ہوتی ہے۔

تالیف سیرت کا نصب العین:

برصغیر پاک و ہند کے علمی دبستانوں میں جناب حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی کا دبستانِ فکر یہ ہے کہ اسلامی علوم قرآن مجید کی حاکمیت کے تحت ہوں یعنی حدیث وفقہ، سیرت و تاریخ اور تصوف و فلسفہ کو قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا جائے اور روایات و احادیث کو ثانوی حیثیت دی

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

جائے۔لہذا امین احسن اصلاحی نے اپنی مشہور ومعروف تصنیف ''تدبّر قرآن'' میں احادیث وروایات کو تفسیر کے ظنّی مآخذ میں شمار کیا ہے۔''حیاتِ رسول اُمّی'' بھی فاضل مصنف کے استاد و راہبر جناب اصلاحی کے اُس خواب کی تعبیر اور اُس خواہش کی تکمیل ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں سیرت النبی ﷺ پر ایک کتاب لکھی جائے۔۱۹۸۶ء میں اسلام آباد میں منعقدہ ایک دینی کانفرنس میں جناب خالد مسعود نے ایک مقالہ پیش کرنا تھا۔(۱) مقالہ کی تیاری کے دوران فاضل مصنف کو قرآن کی حربی تعلیم کو اُجاگر کرنے کے لئے دورِ رسالت کے بعض غزوات کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔اس موقعہ پر فاضل مصنف اپنے احساسات رقم کرتے ہیں

''مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ ان (کتب) کی روایت میں بعض باتیں قرآن کی تصریحات کے سراسر منافی تھیں اور عقلاً بھی ان کی توجیہ ممکن نہیں تھی۔(انہی واقعات کے بارے میں) بعض (دیگر روایات) قرآن کے مطابق نظر آئیں۔لیکن معلوم ہوا کہ سیرت نگاران کو اہمیت نہیں دیتے اس لئے وہ روایات (یعنی قرآن کی تصریحات کے منافی) لوگوں میں مشہور ہو چکی ہیں جو قرآن کے بیان کردہ اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتیں(۲)۔

اس حقیقت کے انکشاف پر انہوں نے غزوۂ بدر، صلح حدیبیہ اور فتحِ مکّہ پر تحقیقی مضامین شائع کئے، جنہوں نے فکرِ فراہی سے متفق متعدد اصحابِ علم کو متاثر کیا۔انہوں نے فاضل مصنف کے نقطۂ نظر کو سراہا۔اور باقی غزوات پر بحث مکمل کرنے کا تقاضا کیا۔جب جنگوں کے پورے سلسلہ پر اُن کی تحقیق قلم بند ہوئی تو اس حلقہ کے اصحابِ علم نے اس کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا تقاضا کیا۔تاہم فاضل مصنف نے اس مجموعہ کو رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کے منصبِ رسالت کا یک رُخا اور ناقص تصور خیال کیا۔لہذا رسول اکرم ﷺ کی کامل شخصیت اور آپ ﷺ کی دعوت کا بھرپور تعارف کرانے کے مقصد کے تحت نئے عنوانات قائم کر کے ان پر کام شروع کیا جس کے نتیجہ میں سیرتِ طیبہ پر یہ نئی کتاب تیار ہوگئی۔(۳)

مصنف کو دورانِ تحقیق اہل سیرؔ کے متعدد بیانات، قرآن حکیم کی تصریحات، درایتِ حدیث، عقل وحکمت اور اہلِ عرب کے مزاج و ماحول کے برعکس نظر آئے لہذا فاضل مصنف نے

مذکورہ واقعات کونئی ممکنہ شکلیں دیں۔ کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو صدیوں سے متفق علیہ واقعات نئی شکل اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مقصدِ تالیف کے ضمن میں جناب خالد مسعود نے مقدمہ کتاب میں ایک اور دعویٰ بھی پیش کیا ہے کہ سیرت کو پیش کرنے میں لوگوں کے سامنے الگ الگ مقاصد رہے ہیں۔ اور کسی بھی سیرت نگار نے رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ، اللہ کے رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا ہے۔ اس کتاب میں آپ ﷺ کو اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت و رسالت کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔

''حیاتِ رسول امّی'' مشمولات کے آئینے میں:

مذکورہ بالا مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے کتاب تحریر کی اور اس کے مواد کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ میں ذیلی ابواب قائم کئے ہیں۔ حصہ اوّل کا عنوان ''تاریخی پس منظر'' ہے جس کے تحت چھ ابواب ہیں۔ دوسرا حصہ ''حیات قبل از بعثت'' سے متعلق ہے۔ آپ ﷺ کی قبل از بعثت زندگی کا احاطہ دو ابواب میں کیا ہے۔ تیسرے حصے میں ''نبوت کے مکی دور'' کا تذکرہ ہے جس میں کل ۱۵ ابواب ہیں۔ اس کتاب کا آخری اور سب سے طویل حصہ ''نبوت کا مدنی دور'' ہے جو ۲۷ ابواب پر مشتمل ہے۔

کتاب کے مشمولات کا اندازہ ابواب کے عناوین سے کیا جا سکتا ہے، جو ایک نظر میں یہ ہیں۔

تخلیقِ آدم اور منصبِ خلافت، نظامِ نبوت و رسالت، مرکزِ توحید کی تعمیر اور دعائے ابراہیم، بنی اسرائیل میں ایک عظیم رسول کی آمد کی خبر، بنی اسماعیل کی تولیت بیت اللہ، بنی اسماعیل کو یہود پر ترجیح دینے کے اسباب، نبی موعودؑ کی آمد، کارِ رسالت کے لئے تربیت، بعثت اور دعوتِ دین کا آغاز، قریش کی پریشانی اور مسلمانوں پر سختی، ہجرتِ حبشہ، اسلام سے قریش کی وحشت کے اسباب، طلبِ مدد کے لئے قریش کا یہود سے رابطہ، اہل کتاب پر تنقید، بنو ہاشم کا مقاطعہ اور دعوتِ مصالحت، قریش کو عذابِ الٰہی کا انذار، غموں کا سال، رسول اللہ ﷺ کے لئے بشارتوں کا دور، آخری انذار اور اعلانِ براءت، بیعتِ عقبہ ثانیہ، ہجرتِ مدینہ، مدینہ میں ابتدائی مصروفیات، یہود سے خطاب اور

مباحثہ، امتِ مسلمہ کا قیام، مدینہ کی حفاظت کی تدابیر، غزوہ بدر کے اسباب وواقعات پر ایک نظر، حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ، دشمنانِ اسلام کی محاذ آرائیاں، اصلاحات کا دور اور یہود کا طرزِ عمل، قریش کی نئی مہم جوئی، غزوہ اُحد، یہود و بنی نضیر کی سرکوبی، غزوہ احزاب، اہلِ ایمان کی کردار کُشی کی کوششیں، فتحِ مبین، معاہدہ صلح کے ثمرات، رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ عام، معاہدہ حدیبیہ کی منسوخی، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، حج اور عام الوفود، ختمِ نبوت، اور جمع وتدوین قرآن، حجۃ الوداع، بلندو برتر رفاقت کی جانب سفر، امہات المومنین، رسول اللہ کے فرائض اور ذمہ داریاں، رسول اللہ کے حقوق اوراسوۂ حسنہ۔

اکثر عنوان وہی ہیں جو عام سیرت کی کتابوں میں موجود ہوتے ہیں تاہم چند موضوعات کتبِ سیرت میں اضافہ ہیں۔ مثال کے طور پر تخلیق آدم اور منصبِ خلافت، نظامِ نبوت ورسالت، مکی دور میں طلبِ مدد کے لئے قریش کا یہود سے رابطہ، مکی عہد میں اہل کتاب پر تنقید اور جمع وتدوین قرآن وغیرہ۔

''حیاتِ رسولِ امّی'' کا اہم ترین مصدر و مرجع ------ قرآن حکیم:

جناب حمید الدین فراہی اور اُن سے وابستہ دبستان کی فکر کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کو تمام دینی علوم پر حاکم تسلیم کیا جائے۔ خالد مسعود، اپنے عہد میں اس فکر کے سب سے بڑے امین تھے۔ اپنی اس حیثیت اور اس منشور کا انہیں پورا پورا احساس تھا۔ مقدمہ کتاب میں سیرت النبی ﷺ کے مآخذ بیان کرتے ہوئے انہوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک مشہور قول نقل کیا ہے کہ ''کان خلقه القرآن'' یعنی حضور ﷺ کا خلاق وکردار تو قرآن ہی سے متشکل ہوا تھا۔ دوسرے الفاظ میں قرآن میں جو کچھ الفاظ میں ادا ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ بن جاتی ہے۔

فاضل مصنف کے نزدیک قرآن حکیم کی آیت (الطّلاق آیت نمبر ۱۰،۱۱) میں رسول اللہ ﷺ کو ذکر، یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں ہے۔ قرآن پڑھیئے تو اس میں

رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات، آپ کی بعثت کے کوائف، دعوتِ دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور ﷺ کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ ایک آدمی قرآن کا مطالعہ غور سے کرے تو وہ سیرت النبی ﷺ کے تمام ضروری مباحث سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔(۴) قرآن مجید میں سیرت کے مختلف اور متعدد پہلو ہر اعتبار سے محفوظ اور موجود ہیں۔ فاضل مصنف نے قرآن حکیم اور سیرتِ نبوی ﷺ کے اس قریبی باہمی تعلق کی بناء پر قرآن حکیم کی ہر اُس آیت سے اعتناء کیا ہے جس کا احوالِ سیرت سے کوئی تعلق بنتا ہو، چاہے وہ تعلق معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف نے وہ آیات متعلقہ مقاماتِ سیرت پر درج کی ہیں ۔ واقعات سیرت میں ان کو بڑی خوب صورتی سے سمو دیا ہے اور واقعات کو اُس رُخ پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو آیت کے مضامین سے عیاں ہوتا ہے۔ چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

مکّی دور میں قریش نے دعوتِ دین کی سخت مُخالفت کی اور کمزور طبقہ کے مسلمانوں پر ظلم وستم کے کئی حربے آزمائے۔ اس پس منظر میں فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ ''مسلمانوں کے لئے ان حالات کا مقابلہ طاقت سے کرنا ممکن نہ تھا۔ کوئی چیز اگر ان کا حوصلہ قائم رکھ سکتی تھی تو وہ اللہ پر توکل، دین پر ثابت قدمی کے اچھے انجام اور آخرت کی کامرانی کا یقین تھا۔ اس موقع کی مناسبت سے متعدد آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں۔ چونکہ آدمی دوسرے کی مثال سے سبق حاصل کرتا ہے اس لئے اہل ایمان کی تربیت کی خاطر بنی اسرائیل کے ان نوجوانوں کا حوالہ دیا گیا جو فرعون کے تشدد کے اندیشہ کے باوجود حضرت موسیٰ کا ساتھ دینے والے بنے۔ انہوں نے جب اپنے رسول سے فرعونوں کے ظلم کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اُن کو اللہ پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے کی ہدایت کی''(۵) اس عبارت کے ذیل میں سورہ یونس کی آیت نمبر ۸۳ تا ۸۷ نقل کی ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''جب نوجوانوں کو ان کے کافر باپوں یا رشتہ داروں نے سختیاں کر کے محمد ﷺ کا دین چھوڑنے پر مجبور کیا تو اس صورتحال میں قرآن نے ان کو واضح ہدایات دیں کہ اللہ نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت ضرور کی ہے لیکن والدین کو یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ اولاد کو اللہ کے شریک ماننے پر مجبور کریں۔ اس معاملہ میں ان کی اطاعت کی ضرورت نہیں(۶)۔ فرمایا: ''ووصّینا الانسان بوالدیہ

حسناً. وان جاھداك لتشرِ ك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما. الیّ مرجعكم فا نبّئكم بما كنتم تعملون. والّذین امنوا وعملوا الصّلحٰتِ لند خلنّھم فی الصّالحین(۷) قرآنی آیات کے مضامین کی روشنی میں وقائع واحوال کی دل چسپ منظر کشی کرتے ہیں: ہجرت حبشہ کے تناظر میں لکھتے ہیں: ''کفار کی جانب سے مسلمانوں کو جو آزمائشیں پیش آرہی تھیں قرآن مجید ان کا عزم وحوصلہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم دیتا اور بشارت دیتا کہ جو لوگ ثابت قدم رہیں گے ان کو ان کی قربانی کا صلہ ان کی توقعات، اندازوں اور قیاسوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا۔ قرآن نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اگر دیکھو کہ تمہارے وطن کی زمین تم پر تنگ کردی گئی ہے جب بھی بددل اور مایوس نہ ہونا۔ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اگر اس شہر میں تمہارے لئے اللہ کے دین پر قائم رہنا ناممکن بنا دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی کسی ایسی سرزمین کی طرف فرمائے گا جہاں تم بے خوف وخطر اپنے رب کی عبادت کرسکو گے۔ اللہ تمہیں جائے پناہ عطا فرمائے گا اور رزق بہم پہنچائے گا''۔ فرمایا:'' یا عبادی الّذین امنوا انّ ارضی واسعة فا یّا ی فاعبدون....نعم اجر العملین الّذین صبروا وعلی ربّھم یتوکّلون وکایّن من دآبّةٍ لا تحمل رزقھا. اللّٰہ یرزقھا وایّاکم وھو السّمیع العلیم(العنکبوت۵۶ -۶۰) چودھویں باب میں اسلام سے قریش کی وحشت کے چھ اسباب بیان کئے ہیں ہر سبب اور قریش کے ہر اعتراض کا قرآن حکیم کی روشن آیات کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور قرآن ہی کے دل نشین الفاظ وعبارات سے مذکورہ اعتراض وسبب کا مدلل جواب دیا ہے۔ مذکورہ بالا باب کل ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں قرآن حکیم کی سورة مریم، سورة ابراہیم، سورة النمل، سورة الصافات، سورة الروم، سورة الحج، سورة الاعراف اور سورة الانعام اور مختلف سورتوں کی اکٹھ آیات ترجمہ کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اٹھارہویں باب کا عنوان'' قریش کو عذابِ الٰہی کا انذار ہے۔

مذکورہ باب کے کل ۱۶ صفحات میں سورة الاعراف، سورة الرعد، سورة یونس، سورة حمٓ السجدة، سورة القمر، سورة السجدہ، سورة الانعام، سورة بنی اسرائیل وغیرھم میں سے کل اُنہتر (۶۹) آیات مع ترجمہ لکھی ہیں۔ اکیسویں باب کے آٹھ صفحات پر اکتالیس آیات کریمہ ترجمہ کے ساتھ موجود ہیں یہ

چند ایک مثالیں ہیں جو فاضل مصنف کے قرآن سے غیر معمولی شغف اور لگاؤ اور مضامین قرآن سے اُن کی گہری آگاہی اور دلچسپی کی آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے صاحبِ قرآن کی سیرت کو قرآن کی نظر سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن کو بھی ایک موضوع کے طور پر Discuss کیا ہے۔ قرآن حکیم کے نزول کی ابتداء، مکی سورتوں کی دعوتِ نبوی ﷺ سے مناسبت، جمع وتدوینِ قرآن اور یہود و مشرکین اور منافقین کے قرآن اور صاحبِ قرآن پر اعتراضات، ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ خصوصاً فِرقِ باطلہ کے ہر ہر اعتراض والزام کا تحلیلی و منطقی تجزیہ کر کے معقول اور مدلّل جوابات دیئے ہیں کہ ان اعتراضات کی سطحیت اور نامعقولیت بالکل عیاں ہوگئی ہے۔ ایسے مقامات پر مصنف کے جذبات میں جوش اور تحریر میں تیزی اور روانی آجاتی ہے۔

چند جملے ملاحظہ ہوں: ''کلام وحی اور سحر میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ ساحروں کے شعبدوں کی چمک دمک عارضی ہوتی ہے وہ کبھی پائیدار کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ سحر کے اثرات وقتی اور بہت جلد زائل ہونے والے ہوتے ہیں جبکہ قرآن نے لوگوں کے قلوب واذہان کو بدل کر رکھ دیا۔ سحر باطل ہوتا اور حق کے مقابلہ میں آکر بودا ثابت ہوتا ہے جبکہ قرآن سراپا حق ہے اور جب یہ حق کے ساتھ ٹکرایا تو اس کو سرنگوں کر دیا''۔ (۸) اس طرح ''حیاتِ رسولِ اُمّی'' کے مطالعہ سے قرآن فہمی اور سیرت فہمی کا دُہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

دیگر مآخذ:

مذکورہ کتابِ سیرت کا سب سے بڑا اور اہم مصدر قرآن ہی ہے۔ قرآن حکیم کے علاوہ اصحابِ سیر کی روایات اور احادیث سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ تاہم یہ اخذ واستفادہ بہت محدود ہے۔ ۵۹۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کل ۳۳ مقامات پر کتبِ احادیث کے نام حوالہ جاتی کتب کی فہرست میں مرقوم ہیں۔ بعض دیگر مقامات پر چند احادیث نقل کی ہیں، اور بعض دیگر مقامات پر کتبِ احادیث کی روایات سے راہ نمائی لی ہے تاہم ہر جگہ حوالے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ قدیم کتب سیرت میں ابن ہشام، ابن سعد اور علامہ ابن کثیر کی کتب کے نام چند جگہ پر مذکورہ ہیں۔ کتاب کے قابلِ ذکر مقامات وہ ہیں جہاں فاضل مصنف نے روایاتِ سیرت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

روایاتِ سیرت کا تنقیدی جائزہ:

مولانا شبلی نعمانی نے "سیرت النبی" کی تالیف کے وقت چند اصولوں کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے سیرت کے واقعات کے متعلق قرآن مجید کے بیانات کو باقی روایات پر مقدم رکھا ہے۔ قرآن مجید کے بعد انہوں نے مستند کتبِ احادیث میں سے سیرت کی روایات صحیح تلاش کی ہیں اور ان کے مقابلے میں کتب سیرت و تاریخ کی روایات کو ثانوی حیثیت دی ہے۔ مولانا شبلی نے روایاتِ صحیح کے چناؤ میں کتبِ ستہ کے مؤلفین کی روایات کو خصوصی حیثیت و اہمیت دی ہے اور ان کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ جناب خالد مسعود نے بھی ابتدائے کتاب میں یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے قرآن مجید کے بعد اُن روایت (احادیث) سے راہنمائی لی ہے جو قرآن کے بیانات کے مطابق ہیں۔ (۹) مصنف مذکور کے اس جملے کا پسِ منظر حقیقت میں تو اصلاحی مکتبِ فکر کا نظریہ حدیث ہے جس میں عقل و تدبر کو فیصلہ کن اختیار دیا گیا ہے۔ اس مکتبِ فکر کے نزدیک حدیث میں صحیح و سقیم کا مدار اصلاً متن پر ہے نہ کہ سند پر۔ حدیث اگر عقل کے مسلمات اور (اُن کی رائے میں) قرآن کی تصریحات کے خلاف ہو تو رد کر دی جائے گی چاہے اس کی سند اعلیٰ اور قوی ہی ہو۔ اور چاہے اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ایسے محدثین ہی نے روایت کیا ہو۔ ذوقِ حدیث اور عمل معروف متنِ حدیث کی جانچ کی ایک کسوٹی ہیں۔ اور احادیث کا اپنا ایک مجموعی نظام بھی ہے جس سے ہٹ کر نہ تو کسی حدیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تاویل و توجیہ ٹھیک طور پر ہو سکتی ہے۔ مختلف احادیث میں تناقض کی صورت میں احادیث کا یہی مجموعی نظام راہنمائی کرتا ہے (۱۰) حدیث کو جانچنے اور پرکھنے کے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر فاضل مصنف نے روایاتِ سیرت کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وقائع و احوالِ سیرت کی ممکنہ نئی صورتیں اور شکلیں معرض ظہور میں آئی ہیں۔ ان مقامات پر مصنف کا زورِ استدلال اور زورِ قلم عیاں ہو کر سامنے آیا ہے چند ایسے مقامات حسب ذیل ہیں۔

1. حضرت ہاجرہؑ کا نسب:

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ کے ضمن میں اکثر مفسرین اور متعدد اہل سیر نے بخاری و مسلم کی صحیح روایت کے حوالہ سے یہ بات بیان کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کنعان سے مصر گئے تو مصر کے ظالم

بادشاہ نے، جس کا تعلق سامی نسل سے تھا، آپؑ کی زوجہ حضرت سارہؓ کے ساتھ بُرا ارادہ کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں اور بندیوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ حضرت سارہؓ کے ساتھ فرعون کے برے ارادے کو اللہ تعالیٰ نے ناکام فرمایا جس سے وہ بادشاہ اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی حضرت ہاجرہؓ کو حضرت سارہؓ کے حوالے کر دیا۔ ابراہیمؑ نے بعد میں حضرت ہاجرہؓ سے شادی کر لی۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے یہودی مفسر تورات ربی شلوموکی تحقیق سے یہی بات بیان کی ہے ہاجرہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں اُس نے سارہ کی خدمت کے لئے اس بیٹی کو ان کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ اس کا سارہ کے ہاں خادمہ بن کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔(۱۱) جناب خالد مسعود کے پیشوا امام، حمید الدین فراہی، اہل سیر کی اس تحقیق سے مطمئن نہیں تھے انہوں نے اپنی کتاب ''آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب'' میں ہجرت مصر کے واقعہ کو درست قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ابراہیمؑ جس مصر سے گذرے، وہ کنعان کے جنوب میں عرب کا شمالی و مغربی حصہ ہے اور ابوملک اس علاقے کا زور آور امیر اور قبیلہ بنو جرہم کا سردار تھا۔ حضرت ہاجرہؓ اس عرب سردار ابوملک کی بیٹی تھی (۱۲) فاضل مصنف نے ''حیاتِ رسول امّی'' میں اسی تحقیق کو درج کیا ہے اور تائید میں مزید دلائل دیئے ہیں۔

۱۔ کنعان یعنی عرب کے شمالی حصہ (موجودہ فلسطین) میں بنوقحطان (عربوں) کی ریاستیں موجود تھیں۔

۲۔ ابوملک عربی نام ہے۔ کنعان میں ابراہیمؑ اسی کے ہاں ٹھہرے۔

۳۔ ابوملک نے ابراہیمؑ کو اپنا حلیف بنایا اور عرب قبائل کے رواج کے مطابق اس حلف کو پختہ کرنے کے لئے اپنی بیٹی ہاجرہ کی شادی ابراہیم سے کر دی۔

۴۔ یہودیوں نے نسلی تعصب کی بنیاد پر ہاجرہ کو مصری لونڈی قرار دیا ہے۔

۵۔ ہاجرہ نے زندگی بھی بنو جرہم کے ساتھ اپنا تعلق باقی رکھا ہے اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور ان کی اولاد کی شادیاں اسی قبیلہ میں کی ہیں۔

۶۔ اس تعلق کی مضبوطی کی دلیل ہے کہ بنو جرہم بعد میں مکہ میں آباد ہوئے۔(۱۳)

2. بیت اللہ کی تعمیرِ اوّل:

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر، اللہ تعالی کے حکم سے فرشتوں نے کی۔ حضرت آدمؑ جب زمین پر اُتارے گئے تو تعمیر ثانی اُن کے ہاتھوں ہوئی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ جب یہ عمارت منہدم ہوئی تو سیدنا ابراہیم و اسمٰعیلؑ کو حکم ہوا کہ وہ اللہ کے اس گھر کو پہلے سے موجود بنیادوں پر استوار کریں۔ فاضل مصنف کے بقول اس روایت کے حق میں کوئی شہادت نہیں ہے اس لئے کہ:

۱۔ اوّل تو مکہ کا لفظ ہی بتا تا ہے کہ وادی میں پہلے کوئی آبادی نہ تھی۔ مکہ کا لفظ بابلی زبان میں بے آباد جگہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ اگر یہاں پہلے لوگ آباد ہی نہ تھے تو ان کے بغیر بیابان میں آخر معبد کس مقصد سے تعمیر ہوا؟

۳۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ بیت اللہ ہی کو بیت العتیق (قدیم گھر) کہا گیا ہے۔

۴۔ قرآن میں اس گھر کی جس اولیت وقدامت کا ذکر ہوا ہے وہ یروشلم میں واقع بیت المقدس کے مقابلہ میں ہے جو صدیوں بعد سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں تعمیر ہوا۔ (۱۴)

3. رسول اللہؐ کے بچپن میں زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت:

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک جب ۸ برس ہوئی تو آپ ﷺ کے مشفق دادا جناب عبدالمطلب انتقال کر گئے۔ عام اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کی کفالت کا ذمہ آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے لیا۔ فاضل مصنف نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق عبدالمطلب نے اپنے بعد اپنے بڑے بیٹے زبیرؓ کو اپنا وصی بنایا تھا۔ لہذا حضور ﷺ اب اپنے ان تایا کے سایہ شفقت میں آ گئے۔ زبیرؓ کا انتقال اس وقت ہوا جب حضور ﷺ ۲۲، ۲۳ برس کے ہو چکے تھے اور اب آپ کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ گویا کفالت کا پورا دور زبیر کے ساتھ آپ نے گزارا۔ (۱۵) علاوہ ازیں آپ کے تجارتی سفروں کے بارے میں جتنا کچھ روایت میں آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ابتدائی سفر ابو طالب کی معیت میں شام کی طرف ہوئے۔ فاضل مصنف کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ ابو طالب کوئی امیر آدمی نہ تھے، بمشکل اپنا

کنبہ پالتے تھے۔ وہ ٹانگ سے معزور بھی تھے اس لئے تجارتی سفروں پر جانا ان کے لئے مشکل تھا۔ ان کا ذریعہ معاش عطر فروشی تھا یا کبھی کبھی وہ مقامی طور پر غلے کی تجارت کرلیا کرتے تھے۔ لہذا ان کی ہمراہی میں بارہ تیرہ سال کے بھتیجے کا اتنے طویل سفروں پر جانا ناقابل فہم ہے البتہ حضور ﷺ زبیرؓ کی کفالت میں تھے اور وہ ایک معروف تاجر تھے جو مختلف اطراف میں تجارتی سفر کیا کرتے، لہذا جب حضور ﷺ کی عمر سفر کے قابل ہوئی ہوگی تو آپ ان کے ہمراہ شام، یمن، بحرین وغیرہ گئے ہوں گے۔(١٦) یہاں پر مصنف نے بحیرہ راہب کے واقعے کی بھی تردید کردی جو اسی طرح کے ایک سفر کے درمیان پیش آیا جو ابو طالب کی معیت میں ہوا تھا۔

4. واقعہ فیل:

قرآن حکیم کی سورۃ الفیل میں حاکم یمن ابرہہ کے ہاتھیوں کے لشکر کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ جو خانہ کعبہ پر حملہ کے ارادہ بد سے آئے تھے۔ اللہ تعالی نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے جنہوں نے اوپر سے کنکریاں پھینک کر لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی مانند بنا دیا۔ فراہی مکتبِ فکر کے روح رواں، جناب حمید الدین فراہی نے اپنی تفسیر ''نظام القرآن'' میں جمہور مفسرین سے اس واقعے کے بارے میں اختلافِ رائے کیا ہے۔ جناب خالد مسعود نے اسی تفسیر کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ابرہہ کا لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو اہل مکہ اور غیر مسلح حاجیوں نے منی کے پتھروں سے اسلحہ کا کام لیا اور لشکر پر بار بار سنگ باری کر کے اس کے قدم مکہ کی طرف بڑھنے سے روک دیئے۔ اس دوران میں قریش نے گوریلا جنگ کا طریقہ اپنایا۔ منی سے متصل وادی محسر میں ابرہہ کی فوج پر سنگ باری کرنے والی ہوا چلی جس نے محسر کو دشمن کے لئے موت کی وادی بنا دیا۔ جھنڈ کے جھنڈ گوشت خور پرندے ان کا گوشت نوچنے کے لئے وادی میں آگئے اور منی کو لاشوں کے تعفن سے پاک کر دیا۔ اللہ تعالی نے اپنی اس تائید سے قریش کی کمزور مدافعت اتنی مئوثر بنا دی کہ اصحابِ فیل کھانے کے بھس کی طرح پامال ہو گئے۔(١٧)

5. وحی کا آغاز غارِ حرا سے نہیں ہوا:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں تقریباً دس سے زائد مقامات پر اور امام احمد بن حنبل نے اپنی

مسند میں آنحضور ﷺ پر پہلی وحی کے نزول کا واقعہ بیان کیا ہے جن کی بنیاد پر مفسرین، محدثین فقہاء اور سیرت نگاران کا اتفاق ہے کہ وحی رسالت نبوت کا آغاز غارِ حرا میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا ہے۔ ''حیاتِ رسولِ اُمّی'' کے مصنف نے اس مجمع علیہ رائے سے اتفاق ظاہر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے صحیح بخاری کی ان روایات کی تنقیح کی ہے اور درج ذیل اشکالات وارد کئے ہیں۔

۱۔ حضور ﷺ خود یہ بیان نہیں کرتے کہ میرے پاس غارِ حرا میں ایک فرشتہ آیا۔ یہ بیان راوی کا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا۔ فرشتے نے حضور ﷺ سے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ اسی لئے حضور ﷺ کو جستجو ہوئی کہ کسی صاحبِ علم سے رائے لی جائے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟

۲۔ یہ جان لینے کے بعد کہ علامات، فرشتہ وحی کی آمد کی ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ سے یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول مقرر ہوئے ہیں۔ یعنی اس مرحلہ پر انہوں نے حضور ﷺ کو نبی یا رسول تسلیم نہیں کیا۔

۳۔ ورقہ بن نوفل پر اگر یہ بات واضح ہوتی کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ آپ پر ایمان لا کر ایمان میں سبقت کا اعزاز حاصل نہ کرتے۔

۴۔ فرشتے کا حضور ﷺ سے مطالبہ تھا کہ اقرأ۔ یہ لفظ دوسرے کے سامنے پڑھ کر سنانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اقرأ کا صحیح مفہوم ہوگا کہ لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔

۵۔ فرشتے نے پڑھ کر سنانے کا حکم تو دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیا پڑھنا یا کیا سنانا ہے۔ اس وضاحت کو تشنہ چھوڑ کر غائب ہو گیا۔

۶۔ کتبِ حدیث و سیرت میں یہ شہادت نہیں ملتی کہ واقعہ حراء کے فوراً بعد حضور ﷺ نے دینِ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی ہو۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس وقت خود آپ پر اپنی حیثیت واضح نہ تھی اور نہ ہی کوئی پیغام تھا جسے لوگوں کو سُنانا تھا۔

ان نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ واقعہ حراء میں حضور ﷺ کو جو تجربہ ہوا، یہ

بھی آپ کی تربیت ہی کا حصہ تھا۔ فرشتہ وحی کی شخصیت سے تعارف اس کا اصل مقصد تھا۔ حضور ﷺ کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ یہ فرشتہ آئندہ آپ کے پاس آنے والا ہے۔ سیرت کے پیغام آپ تک پہنچائے گا اور آپ کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ ان کو لوگوں تک پہنچائیں۔ لہذا یہ بات صحیح نہیں کہ واقعہ حراء حضور ﷺ کی رسالت کا نقطۂ آغاز تھا اور اس میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔(۱۸)

مصنف نے فترۃ الوحی یا انقطاع وحی کے کسی عرصہ کو بھی صحیح قرار نہیں دیا۔ اُن کے نزدیک جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہی نہیں ہوئی تو اس میں انقطاع کیسے ہوسکتا ہے۔ حقیقت میں وحی کا آغاز فرشتہ وحی کی آمدِ ثانی کا موقع ہے جس میں کچھ عرصہ لگا اور سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

6. تبلیغ ودعوت کا کوئی خفیہ دور نہ تھا:

اکثر اہل سیر نے اپنی اپنی تحقیق سے یہ بات لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آغازِ بعثت سے تین برس تک دعوت دین کا کام خفیہ طریقے سے سرانجام دیا۔ ''الرحیق المختوم'' کے مصنف جناب صفی الرحمان مبارک پوری لکھتے ہیں: ''یہ معلوم ہے کہ مکہ دین عرب کا مرکز تھا۔ یہاں کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس لئے کسی دور افتادہ مقام کی نسبت مکہ میں مقصدِ اصلاح تک رسائی ذرا زیادہ دشوار تھی۔ یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب ومشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔ اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت وتبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اچانک ایک ہیجان خیز صورتحال نہ آجائے''۔(۱۹)

جناب خالد مسعود نے اہل سیر کے اس بیان کا بڑی شد ومد کے ساتھ انکار کیا ہے۔ اُن کی رائے میں جب کسی قوم کے اندر رسول کی بعثت ہوتی ہے تو وہ اس قوم کو مخاطب کر کے اللہ کا یہ پیغام دیتا ہے کہ لوگ اپنے غلط عقیدہ وعمل کو چھوڑ کر اللہ کے بندے بن جائیں۔ اس مقصد کے لئے وہ لوگوں کی فطری نیکی کو ابھارتا، غلط کاموں پر متنبہ کرتا، نصیحت موعظمت کے ذریعے خدا کی بتائی ہوئی راہ راست کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا اور قوم کی فکری وعملی رہنمائی کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی کام خفیہ

کرنے کا نہیں ہوتا۔ رسول کی ذمہ داری کی نوعیت سازش کر کے انقلاب برپا کرنے کی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی جدوجہد کو لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھے اور اپنی جماعت کھڑی کر کے ایسے افراد مہیا کرے جو قوم کے اندر رائج نظام کو تلپٹ کر کے اس کے تجویز کردہ نظام کو نافذ کر دی (۲۰)۔ مصنف کے نزدیک چونکہ پیغمبر کا کام جان جوکھم میں ڈالنے کا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیتا ہے لہذا رسول کو کسی بھی مرحلہ پر اپنی قوم کے کسی سخت ردعمل سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی دعوت کو خفیہ رکھنے پر مجبور ہو۔ (۲۱)

7. واقعہ معراج اور دیگر معجزات:

''حیاتِ رسول اُمی'' کے بعض مقامات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف پر سرسید کے مذہبی افکار کا بھی اثر ہے۔ سر سید نے ''خطبات احمدیہ'' کے گیارہویں خطبہ میں واقعہ معراج کے اسراء والے حصہ کو تو تسلیم کیا لیکن معراج کی روایات کو باہم متعارض اور متناقض دکھا کر اسے ایک خواب اور مُکاشفہ قرار دیا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ جناب خالد مسعود نے بھی واقعہ معراج کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ روایت معراج میں آپ ﷺ کی چند انبیاء سے ملاقات کا ذکر ہے۔ مصنف کتاب نے روایت کے اس حصہ پر اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ چند بڑے رسولوں مثلاً حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ اور شعیبؑ کے نام ملاقات کرنے والوں میں شامل نہیں ہیں۔ ان عوامل کی بنیاد پر انہوں نے اسراء کو اصل اور معراج کو سراسر ایک اضافہ قرار دیا ہے۔ (۲۲) ''حیاتِ رسول اُمی'' میں دیگر معجزات جیسے شقِ صدر، بحیرہ راہب کا واقعہ، بیعتِ عقبہ ثانیہ میں آپ ﷺ کا شیطان کو کنکری مارنا وغیرھم کا ذکر بھی نہیں ہے۔

8. حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی روایت کا محاکمہ:

حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کی معروف روایت جو سیرت نگاروں نے نقل کی ہے، پر کئی سوالات اور اشکالات وارد کر کے اس پر عدم اطمینان ظاہر کیا ہے۔ اس معاملے میں ایک دوسری روایت کو ترجیح دی ہے جس کے مطابق حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ایک تدریجی عمل ہے۔ ان کے قبول اسلام کے اہم اسباب میں مظلوم مسلمانوں کی اپنے عقیدے و نظریئے سے شدید وابستگی، مظالم پر صبر،

رسول اللہ ﷺ کی جاذبِ نظر شخصیت اور قرآن کے اثر آفرین کلام کا وقتاً فوقتاً سننا ہے۔ (۲۳)

9. غزوات کا خصوصی تذکرہ:

مصنف نے غزوات کے ابواب میں خوب دادِ تحقیق دی ہے اور اس موضوع پر سر سید احمد خان اور علامہ شبلی کی آراء کو ایک نئے قالب و اسلوب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ علامہ شبلی کی طرح مصنف نے غزوۂ بدر کو ایک اقدامی غزوہ قرار دیا اور ابوسفیان کے قافلہ کو اس کی اہم وجہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے اصح السیر میں علامہ شبلی کے اس مؤقف کی مدلل تردید کی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی علامہ شبلی کے اس مؤقف سے اختلاف کیا تھا۔ جناب خالد مسعود نے تحقیق کے نام پر وہی پرانی بات دہرائی ہے۔

اسیرانِ بدر کے معاملے میں جناب خالد مسعود نے احادیث اور اہل سیر کے بیانات کو قرآن کے مفہوم سے بے خبری کے مترادف قرار دیا ہے۔ جنگِ بدر میں قید ہونے والے قریش کے ستر آدمیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کا مشورہ یہ تھا کہ ان قیدیوں کو ان کے اہل ایمان رشتے داروں کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ ان کی گردنیں مار دیں۔ اسی سے اہل کفر کو بھی سخت پیغام دیا جائے گا اور قبائلی دشمنی کا اندیشہ بھی نہیں ہوگا۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے اس سے مختلف تھی۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے ان سے زرِ فدیہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ کتبِ حدیث و سیرت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس پر سورہ انفال کی آیت نمبر ۶۸ اور ۶۹ نازل ہوئیں اور آنحضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے اس نرم رویہ پر تنبیہ کی گئی۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ عتاب صرف مسلمانوں پر تھا۔ نبی ﷺ کی ذات اس سے مامون تھی۔ کتاب زیرِ تبصرہ کے مصنف نے ان روایت پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور آیتِ کریمہ کی ایسی تاویل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زرفدیہ کی یہ تمام کاروائی نہ اسلامی تعلیمات کے خلاف تھی نہ مصالح کے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن سے ہوئی اور اس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ (۲۴)

معروف سیرت نگاروں نے چند روایات کی بنیاد پر غزوۂ بنی نضیر کے اسباب بتائے ہیں۔ فاضل مصنف نے ان بیان کردہ اسباب و روایت کی تحلیل و تنقیح کی اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ غزوہ بنی نضیر

کے اسباب بیان کرنے میں سیرت نگاروں سے ضرور تسامح ہوا ہے۔(۲۵) جناب خالد مسعود نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرت عباسؓ کی موجودگی پر بھی متعدد اشکالات وارد کئے ہیں۔ عام اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ دوسری بیعتِ عقبہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی موجود تھے تاکہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لئے پختہ اطمینان حاصل کر لیں۔ سب سے پہلے بات بھی انہوں نے شروع کی۔(۲۶) امام احمد بن حنبل نے حضرت جابرؓ کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس میں بھی حضرت عباسؓ کی موجودگی ثابت ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑا ہوا تھا۔(۲۷) ''حیاتِ رسول اُمّی'' نے اپنے مؤقف کے حق میں عقلی دلائل دیئے ہیں اور ان بیانات کو قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا ہے۔(۲۸) اسی طرح غزوہ احد کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے ان روایات کو غلط فہمی پر مبنی قرار دیا ہے جن میں یہ مروی ہے کہ حضور ﷺ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔(۲۹)

علاوہ ازیں مقاطعہ بنی ہاشم، شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر، حضرت عائشہؓ کی عمر اور جمع و تدوین قرآن کی روایات ایسے کئی موضوعات پر مصنف نے اپنے بیان کردہ اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے غور و فکر کیا ہے اور واقعات و حالات کی ممکنہ نئی شکلیں اور صورتیں اخذ کی ہیں جو عام سیرت نگاروں کے بیانات سے قدرے مختلف ہیں۔(۳۰)

''حیاتِ رسول اُمّی'' کے خصوصی مباحث:

جناب خالد مسعود کو تقابلِ ادیان سے گہری دل چسپی ہے۔ غیر مسلموں کے مذہبی صحائف اور قرآن حکیم کے اُن مقامات کا جہاں اہل کتاب اور اُمم سابقہ کا تذکرہ ہے، انہوں نے خاصی دقّتِ نظری سے مطالعہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے مذکورہ حصے خاصے زوردار ہیں، جہاں انہیں مناظرانہ استدلال کے مواقع ملے ہیں الزامات کا جواب دینے اور جوابی الزامات کے ذریعے اپنا مؤقف واضح کرنے میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ ''حیاتِ رسول اُمّی'' میں انبیائے سابقہ اور اُمم سابقہ کے تذکرہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی داعیانہ سرگرمیوں اور انبیائے کرامؑ کے احوال میں مماثلت سے ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ عہدِ نبوی ﷺ

کے اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے دینی و مذہبی رویوں سے متعلق ہے۔

فاضل مصنف نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ اور آپ ﷺ کے نبوی ﷺ منصب کا بطور خاص مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی سیرت و دعوت کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ گویا آپ ﷺ انبیائے کرامؑ کی تاریخ دعوت و عزیمت کے ایک نمایاں اور اہم کردار اور اُس مقدس اور پاکیزہ سلسلے کی آخری سنہری کڑی تھے۔ اس طرح اس کتاب کے مطالعہ سے دعوت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ دعوتِ انبیاء کی ایک جامع تصویر بھی قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ فاضل مصنف کے نزدیک قرآن حکیم میں سابق انبیاء کے واقعات محض قصہ خوانی کے طور پر ذکر نہیں کئے گئے بلکہ ان کی گہری مناسبت، نبی اکرم ﷺ کی مساعیء جمیلہ، آپ ﷺ کے مخلص اور جاں نثار ساتھیوں کی قربانیوں اور اس دعوت کے جواب میں قریش کی مخالفانہ سرگرمیوں سے ہے۔ یعنی قریش کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ رویہ وہی ہے جو ماضی کے کفار نے ہر زمانہ میں انبیاء کے ساتھ روا رکھا تھا۔ (۳۱) طوالت کے خوف سے وہ مثالیں ذکر نہیں کی جا رہیں تاہم مذکورہ مقامات پر مصنف کی قرآن فہمی اور نتائج کی خوبیوں کی داد دینا پڑتی ہے۔ (۳۲)

خالد مسعود کی تحریر میں عقل و دلیل کی قوت راسخہ موجود ہے۔ کتاب کے دوسرے باب میں نبوت و رسالت پر ایمان کے ثمرات، تکذیبِ رسول کے مہلک نتائج اور اہل کتاب کے مزعومہ عقائد و افکار کی تردید میں مصنف کا استدلال تلوار کی دھار بن جاتا ہے۔ آخری نبی ﷺ کے بنی اسماعیل میں مبعوث ہونے پر اہل کتاب نے بہت ناک بھوں چڑھائی اور آپ ؐ کی شدید مخالفت کی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دنیا کی تمام قوموں پر ترجیح دیتے تھے۔ مصنف نے ان کی اعتراضات کا ایک ایک کر کے جائزہ لیا ہے اور ان کے مزعومہ افکار و نظریات کا تار و پود بکھیر دیا ہے۔ (۳۳)

اہل کتاب کے علاوہ منافقین و مشرکین کے رویوں کے تفصیلی جائزے اور تبصرے بھی اس کتاب میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔

عہدِ حاضر کے مغربی محققین نے نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کو اس کے حقیقی پس منظر میں پیش کرنے کی

بجائے بالکل دوسرے تناظر میں پیش کیا ہے اور آنحضور ﷺ کی جدوجہد کو بھی ایک دنیا دار لیڈر کی تگ و دو کے طور پر دیکھا ہے۔ مستشرقین نے دیدہ دانستہ بعض غلط بیانیوں کا ارتکاب بھی کیا ہے جیسے نبی اکرم ﷺ پر وحی کی خاص کیفیت کو العیاذ باللہ مرگی کا نام دینا، قرآن کی تالیف میں اہل کتاب علماء کی معاونت کا الزام لگانا، ہجرتِ مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور دیگر غزوات کو غلط رنگ میں پیش کرنا وغیرہ۔ ایسے مواقع پر مصنف کتاب کا قلم حرکت میں آتا ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو عصر حاضر کے مروجہ اسلوب میں پیش کرتے ہیں اور عقلی دلائل اور کتبِ سابقہ کے بیانات کی روشنی میں ان کے اعتراضات والزامات کا جواب دیتے ہیں۔ (۳۴)

کتاب کا وہ حصہ خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے جس میں عہد نامہ قدیم و جدید اور دیگر صحائف و کتبِ مقدسہ میں اس عظیم رسول ﷺ کی آمد کے اخبار کا بیان ہے۔ مصنف نے عقلی براہین اور نقلی دلائل سے یہ بات پر زور انداز میں ثابت کی ہے کہ انبیائے سابقہ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت ایوب، حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ جس نبی کی آمد کی اطلاع و خوش خبری دیتے رہے وہ خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ اس ثابت شدہ مؤقف پر اہل کتاب علماء اور مغربی مصنفین کے وارد ہونے والے اعتراضات کے مدلل جواب دیئے ہیں۔ مُناظراتی اور جدلیاتی اسلوب سے اپنا دامن بچاتے ہوئے تحقیقی انداز اختیار کرتے ہیں تاہم بعض مقامات پر ان کا انداز مناظرانہ اور جواب الزامی نوعیت کا بھی ہوتا ہے۔ (۳۵)

طوالت و اختصار کے حوالے سے دیکھا جائے تو مصنف کو داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے سیرت کے تقریباً تمام قابل ذکر پہلوؤں کا تذکرہ ایک ہی جلد میں سمو دیا ہے۔ سوانحی خاکہ کی نسبت فلسفیانہ و نظری افکار کی توضیح میں خوب شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے ذاتی و سوانحی حالات سے زیادہ تفصیل دیگر عنوانات کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب میں سیرت کے ساتھ ساتھ تمام مہمات مسائل پر تبصرہ اور قرآن مجید پر بھی پوری نظر ڈالی گئی ہے۔ مصنف کے تمام خیالات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا تاہم کتاب کے مندرجات متاثر کن، لسانی اعتبار سے پُر کشش اور اس میں عقل کے لئے بھی اپیل ہے۔

ہر باب کا ایک جلی عنوان قائم کرتے ہیں۔ باب کے شروع میں ایک جامع تمہید باندھتے ہیں اس کو مزید فصول میں تقسیم کر کے ضمنی مباحث قائم کرتے ہیں۔ باب کے تمام مشمولات میں ایک ترتیب و تنظیم نظر آتی ہے۔ دلائل کے سلسلے کو ایک ایک کر کے، الگ الگ کر کے پیش کرتے ہیں ایک مدرس اور متکلم کی طرح اپنے دعویٰ کو واضح، صاف اور روشن کرنا چاہتے ہیں۔ واقعات کو مراحل میں اور نتائج کو نکات میں تقسیم کرتے ہیں۔ جس سے تفہیم بہت آسان ہوگئی ہے۔ پوری کتاب ایک متعین ہدف اور مقررہ مقاصد کے گرد گھومتی ہے جو بات شروع میں کی مختلف اسالیب میں اسی کی شرح و وضاحت کرتے رہے۔

غرض یہ کہ جناب خالد مسعود نے کتبِ سیرت میں ''حیاتِ رسول اُمّی'' لکھ کر ایک نئی روایت کا آغاز کیا ہے۔

☆........O........☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ فاضل مصنف کے مقالے کا عنوان تھا ''قرآن کا تصور جنگ'' بحوالہ ''حیات رسول اُمّی'' خالد مسعود، ص۱۰، دارالتذکیر، لاہور ۲۰۰۳ء

۲۔ خالد مسعود: ''حیات رسول اُمّی''، دارالتذکیر، لاہور ۲۰۰۳ء، ص۱۰

۳۔ حوالہ مذکور

۴۔ خالد مسعود: ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۱

۵۔ حوالہ مذکور، ص۱۲۰

۶۔ حوالہ مذکور، ص۱۲۲

۷۔ خالد مسعود: ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۴۹

۸۔ حوالہ مذکور، ص۱۳۳

۹۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۱

۱۰۔ امین احسن اصلاحی: مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، ص۵۰، ۵۱

۱۱۔ سلمان منصور پوری: رحمۃ العالمین، جلد دوم، ص۳۶، ۳۷

۱۲۔ خالد مسعود: ''حیات رسول اُمّی''، ص۳۲

۱۳۔ حوالہ مذکور، ص۳۲۔۳۳

۱۴۔ حوالہ مذکور، ص۳۶

۱۵۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۸۳

۱۶۔ حوالہ مذکور، ص۸۵

۱۷۔ حوالہ مذکور، ص۶۱ ۱۸۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۰۱

۱۹۔ صفی الرحمان مبارک پوری: الرحیق المختوم، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ص۱۰۸

۲۰۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۰۹

۲۱۔ حوالہ مذکور، ص۱۱۰ ۲۲۔ حوالہ مذکور، ص۲۳۵

۲۳۔ حوالہ مذکور، ص۱۵۷

۲۴۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۳۴۴

۲۵۔ حوالہ مذکور، ص۳۹۰، ۳۹۱

۲۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، لاہور، ۱/۴۴۰، ۴۴۱

۲۷۔ ابن سعد: الطّبقات الکبرٰی، بیروت ۱/۱۵۹

۲۸۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۲۵۲، ۲۵۳ ۲۹۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۳۷۰

۳۰۔ حوالہ مذکور: دیکھئے صفحات ۱۹۶ تا ۱۹۹، صفحہ ۵۳۵، ۵۶۰، ۸۷ اور صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳

۳۱۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۱۴۵

۳۲۔ ملاحظہ ہو صفحات ۱۸۱، ۱۴۱، ۱۸۳، ۲۴۳، ۲۴۸ تا ۲۵۰

۳۳۔ حوالہ مذکور، ص۶۵ تا ۶۷

۳۴۔ دیکھئے صفحات ۱۷۴، ۱۷۵ تا ۱۷۷، ص۵۰۸ تا ۵۰۹، ۲۶۳

۳۵۔ ''حیات رسول اُمّی''، ص۴۰ تا ۵۴